OPEN ACCESS
Al-Duhaa
﴾Journal of Islamic Studies﴿
ISSN (print): 2710-0812
ISSN (online): 2710-3617
www.alduhaa.com

Al-duhaa, Vol.:3, Issue: 1, Jan -June 2022
DOI:10.51665/al-duhaa.003.01.0193, PP: 491-508

عالمی منشور برائے انسانی حقوق 1948ء کا تنقیدی جائزہ اسلامی شریعت کی روشنی میں

A critical review of the Universal Declaration of Human Rights 1948 in the light of Islamic Sharia

Published: 01-06-2022
Accepted: 15-05-2022
Received: 31-12-2021

Dr. Burhan Ud Din
Assistant Professor, Department of Islamic studies, Government Postgraduate Jahanzeb College Saidu Sharif Swat
Email: burhanuddinjcs@gmail.com
https://orcid.org/0000-0002-1271-5340

Dr. Muhammad Ayaz
Lecturer (v), Department of Islamic studies, Government Postgraduate Jahanzeb College Saidu Sharif Swat
Email: AyazThanvi1986@gmail.com
https://orcid.org/0000-0002-5761-4551

Arsala Khan
Chairman, Department of Islamic Studies, Government Dr. Khan Shaheed College, Kabal Swat
Email: arsalaswat@yahoo.com
https://orcid.org/0000-0001-8977-2143

Abstract

The Western World proudly considers the Universal Declaration of Human Rights (UDHR) 1948 to be a miracle. But no work of the Human mind can ever be free from error. Because this manifesto has no guidance on the rights of orphans, issues of inheritance, rights of the mentally retarded, virtue of amnesty, self-defense and abolition of force. Is the Universal Declaration of Human Rights heavenly law or an innovation of human intellect which is obviously flawed? In the article it is discussed a lot under Orphanage, Inheritance and Extinction. This Declaration has been passed under a specific agenda, in which the interests of certain countries have been taken into account.The world's major religion "Islam" and the beliefs of its followers have been openly opposed.Human beings have been given their original position by Islam .Every moral, social and legal system in the world has been thrown into the dustbin in respect of "human desire. The high position that Islam has given to man in terms of rights and duties has not been given by any law or manifesto in the world. Therefore, Islam, which is a collection of divine instructions, can give the world a better, just and sustainable system.

Keywords: *UDHR1948, Rights, Less intelligent people, Crazy, Orphans, Inheritance, Forgiveness.*

CC BY

تعارف

1914ء کے لگ بھگ پہلی جنگ عظیم ہوئی۔ جس میں ایک طرف جرمنی تھا اور دوسری طرف باقی یورپ تھا۔ اس جنگ میں عظیم تباہی ہوئی۔ جس کے بعد دنیا میں امن قائم رکھنے کے لیے ایک ادارہ قائم ہوا جسے انجمن اقوام (League of Nations) کا نام دیا گیا۔ اس ادارے کی کارکردگی ناقص تھی، تبھی تو دوسری جنگ عظیم ہوئی جس میں پہلی جنگ عظیم سے بھی زیادہ تباہیاں ہوئیں۔ پھر 1945ء میں اقوام متحدہ (United Nations) بنی۔ اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں یہ بھی تھا کہ اگر اقوامِ عالم کے درمیان کوئی تنازعہ ہو جاتی ہو، تصادم کے امکانات ہو، یا تصادم کے صورت میں ثالثی کا کردار ادا کرنا ہو تو یہ ادارہ ادا کریگی۔ شروع میں اس ادارے کے صرف 51 ممبرز تھے جو بڑھتے بڑھتے آج 193 تک پہنچ گئی ہے[1]۔ اقوام متحدہ کا ڈھانچہ اس طرح ہے کہ اس کا ایک جنرل اسمبلی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر امریکہ کے ایک شہر نیو یارک کے ایک جزیرے مین ہیٹن (Manhattan) میں ہے۔ ہر سال ستمبر میں جنرل اسمبلی کا اجلاس ہوتا ہے۔ یہ ایک عالمی پلیٹ فارم ہے جہاں ہر ممبر ملک کا نمائندہ شریک ہو کر جو چاہتا ہے کہہ سکتا ہے۔ جنرل اسمبلی میں دنیا کے کسی بھی خطے سے متعلق کسی بھی مسئلے پر کوئی بھی قرارداد پاس کر سکتی ہے۔ لیکن اس قرارداد کی حیثیت صرف ایک سفارش کی ہوتی ہے[2]۔ جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام کے درمیان جنگوں کے اسباب کا جائزہ لیا کہ دنیا میں جنگیں کیوں ہوتی ہیں؟ اس کے وجوہات کیا ہیں؟ اس سلسلے میں اس ادارے نے کچھ اصول مقرر کیے جس میں یہ وضاحت کی گئی کہ فلاں بات درست ہے اور فلاں بات نادرست ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ممبر ممالک نے اس ادارے میں اپنا فلسفہ حیات بھی شامل کیا۔ اور ایک چارٹر منظور کرالیا کہ آج کے بعد دنیا کے تمام تنازعات، معاملات وغیرہ اس چارٹر اور منشور کے بنیاد حل ہوا کریں گے۔ اسی چارٹر میں 1948ء میں ایک منشور شامل کیا گیا جسے "عالمی منشور برائے انسانی حقوق" کہا جاتا ہے[3]۔ اعلان کے بعد اقوام متحدہ کی اس فورم نے اپنے ممبرز ملکوں[4] کو اس منشور پر عمل کرنے کے احکامات جاری کیں جو کہ اس منشور کی تشہیر اور دنیا بھر میں اس کی نشرواشاعت پر مشتمل تھیں۔۔ یعنی تدریسی اداروں میں پڑھ کر سنانا، پبلک مقامات پر اسے اویزاں کرنا اور تشہیر کی تمام تر وسائل استعمال کرکے اسے ہر فرد تک پہنچانا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں منشور کی وضاحت بھی تھی اور اس بارے میں کسی ملک یا علاقے کی سیاسی حیثیت کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔[5]

اسلامی آفاقی نظام و قانون کے حقوق العباد کے مقابلے میں مغربی دنیا "عالمی منشور برائے انسانی حقوق 1948ء" کو اپنا کمال سمجھ کر دنیا کو پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے حالانکہ اگر کھلے آنکھوں اور غیر جانب دار دل و دماغ سے دیکھا جائے تو اسلام کے "حقوق العباد" اور عالمی منشور کے "انسانی حقوق" میں کافی فرق نظر آتا ہے۔ اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات سمجھ کر تعامل کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ مغرب کے انسانی حقوق نے انسان کو اُس کے خواہشات کا بندہ بنا کر ہر جائز و ناجائز کو انسان کے مرضی پر چھوڑا ہے۔ جس چیز کو انسان بہتر سمجھے وہی اُس کا قانونی حق ہے، چاہے اُس کے اثرات معاشرے پر کچھ بھی پڑے۔ اسلام نے انسان کو ایک حد تک تو آزادی دی ہے لیکن دوسروں کے حقوق کے حوالے سے اُسے کافی حد تک پابند بنا دیا ہے۔ تاکہ انسانی معاشرہ بگاڑ سے محفوظ رہے۔ حمل سے لے کر موت اور مابعد الموت تک اسلام نے انسان کی ہر حالت میں احترام کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسان چاہے عاقل ہو یا پاگل، بالغ ہو یا بچہ، مالدار ہو یا غریب، والدین کا سایہ سر پہ رکھتا ہو یا یتیم ہو، بدلہ لینے کی استطاعت

رکھتا ہو یا نہیں اور میراث میں حصے دار ہو یا نہیں، ہر حالت میں اسلام نے اُس کی پوزیشن واضح کرکے اُس کے حقوق متعین کئے ہیں۔اس کے مقابلے میں "انسانی حقوق کے عالمی منشور" میں بہت ساری خامیاں اور کمی ہیں۔یہ خامیاں اور کمی یا تو اس وجہ سے پیش آئی ہیں کہ مغرب کا ان کمزور اور بے دست وپا انسانون کی طرف نظر وسوچ ہی نہیں گیا ہے یا دیدہ دانستہ طور پر اس سے تغافل برتا گیا ہے۔ذیل میں انسانی حقوق کے حوالے سے اُن خامیوں اور کمزوریوں کا ذکر کیا جائے گا، جہاں عالمی منشور خاموش رہا ہے۔

پاگلوں، کم عقلوں وغیرہ کے حقوق:

اس سلسلے میں " عالمی منشور" بالکل خاموش ہے حالانکہ یہی لوگ بھی تو معاشرے ہی کا حصہ ہیں جو عام لوگوں کے بنسبت خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ عقل میں فتور رکھنے والے لوگوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔اور اُن کو خصوصی توجہ دی گئی ہے۔عقائد وعبادات تک میں اُن کے ساتھ نرمی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور معاملات وغیرہ کے حوالے سے تو اُن کے ساتھ "احسان" کا حکم دیا گیا ہے۔اسی طرح اُن کا مزاق اُڑانے یا اُن کے ساتھ اس طرح کے دوسرے ناشائستہ کام کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا"[6]

"اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لئے سبب معیشت بنایا ہے مت دو (ہاں) اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہے اور ان سے معقول باتیں کہتے رہو"

یتیموں کے حقوق:

یتیم اُس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جس کا والد وفات پا چکا۔ہو۔اور دیگر حیوانات میں اُس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کی ماں نہ ہو[7] (یعنی وفات پا چکی ہو)۔

اصل میں " یتم" کے مادے کے معانی میں تنہائی، غفلت اور سستی کے آتے ہیں[8]۔ کیونکہ یتیم کی زندگی میں باپ کے مرنے کے بعد تنہائی ہی آتی ہے۔اور اسی طرح باپ کے سایہ سے محروم ہونے کے سبب اکثر اُس کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت برتی جاتی ہے۔اور باقاعدہ نگران نہ ہونے کی وجہ سے اُس کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل میں غفلت اور لاپرواہی ایک عام معمول کی بات بن جاتی ہے۔

بلوغت کے بعد انسان سے " یتیم" کا نام زائل ہو جاتا ہے۔لیکن کبھی کبھی مجازی طور پر بالغ کو بھی " یتیم" کہا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ " یتیم ابی طالب"کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے کیونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی پرورش فرمائی تھی[9]۔

یتیمی کا زمانہ ایک تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔جس کا سامنا بچپن میں کیا جاتا ہے۔جس کا اس کے مستقبل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔بچپن میں والدین کی تربیت اور شفقت سے بچے محروم ہوتے ہیں۔کمانے والا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اِن میں اپنے غیر محفوظ ہونے اور کمزوری کا احساس ہمیشہ پایا جاتا ہے۔اس وجہ سے اسلام نے اِن یتیموں کا خاص خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔اور گھر کے دیگر افراد، رشتہ داروں، ہمسائیوں اور پورے معاشرے کی یہ ذمہ داری مقرر کی ہے کہ یتیموں کی کفالت، پرورش، نان نفقے اور دیگر

ضروریات زندگی کو پورا کرنا تمہارے فرائض میں داخل ہیں۔

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم کسی خاص فرد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ معاشرے کے تمام افراد کی ذمہ داری بنتی ہے۔اُن کی دنیاوی ضروریات کے پیش نظر زکوۃ،مالِ غنیمت،مال فئے اور میراث میں باقاعدہ اُن کے حصے مقرر کیے گئے ہیں۔اللہ جل شانہ اپنے کلامِ پاک میں بار بار اُن کے حقوق وغیرہ کے بارے میں فرماتا ہے۔جیسا کہ:

"جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔ سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔[10]"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اور جب میراث کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آجائیں توان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو۔ اور شیریں کلامی سے پیش آیا کرو[11]"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ یتیموں کو کھلانے پلانے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

"اور باوجود یہ کہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں[12]"

نیکی کی حقیقت بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں[13]"

یتیموں کو کھلانا پلانا اتنا اہم ہے کہ اُسے والدین کے ساتھ ایک جگہ ہی مقام میں ملا کر تاکید فرمائی:

"(اے محمد ﷺ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ اور قریب کے رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کروگے خدا اس کو جانتا ہے[14]"

جہاد میں حاصل شدہ مالِ غنیمت میں بھی اُن کا حق لازمی قرار دیا گیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے[15]"

یتیم کے مال کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔ گھر کے افراد ہوں، رشتہ دار ہوں یا معاشرے کے دیگر افراد ہوں سب پر

یتیم کے مال کی نگران کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور اُسے ناحق طریقے سے کھانے سے انتہائی سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔ نہ تو خود اُس میں کوئی کھاسکتا ہے اور نہ ہی اُسے کسی دوسرے کے حوالے کر سکتا ہے اور نہ ہی اُسے ضائع کرنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے:

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔
اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی[16]"

جو کوئی بھی اس حوالے سے اسلام کے مقرر کردہ اصول سے انحراف کرتے ہوئے مالِ یتیم کھانے کا مرتکب ہو، اُس کے بارے میں ارشاد ہے:

"جولوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے[17]"

اسلام نے یہ بھی بتایا ہے کہ یتیم کے مال کا نگران کب تک اس کے مال کی نگرانی کرتا رہے گا، نیز کن حالات میں وہ یتیم کے مال کو ذاتی استعمال میں لاسکتا ہے اور وہ یتیم کا مال اُس کو کس عمر میں واپس کرے گا؟ اس بارے میں ارشاد ربانی ہے:

"اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو پھر (بالغ ہونے پر) اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کردو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہوجائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا۔ جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز رکھنا چاہیئے اور جو بے مقدور ہو وہ مناسب طور پر (یعنی بقدر خدمت) کچھ لے لے اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو گواہ کرلیا کرو۔ اور حقیقت میں تو خدا ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے[18]"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یتیم سے حسن سلوک صفات الٰہی میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو احسان کے طور پر ارشاد فرماتا ہے:

"بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی[19]؟ (بے شک دی)"

اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا کہ:

"یتیم پر کبھی بھی بلاوجہ غصہ نہ کرو: تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا[20]"

یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات میں شرک کرنے سے منع فرمانے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے وہاں یتیم کو بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

"اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسائیوں اور اجنبی ہمسائیوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ خدا (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا[21]"

احادیث مبارکہ میں بھی یتیم کے تربیت، اُس کے مال اور متعلقہ دیگر امور کے بارے میں ارشادات موجود ہیں۔

یتیموں کی مادی ضروریات پوری کرنے کے بارے میں نبوی ارشادات:

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ یتیم وہ ہوتا ہے جو بلوغت سے پہلے والد کے سایہ سے محروم ہو چکا ہو۔اُس کے کھلانے پلانے، گھر کا سایہ فراہم کرنے والے اور دیگر حاجاتِ دنیویہ پوری کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔اس وجہ سے اسلام نے سب سے پہلے اِس کی طرف توجہ دی ہے اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے معاشرے کے تمام افراد کو حکم دیا کہ وہ یتیموں کی ضروریات پوری کریں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

> "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا[22]"

پرورش میں ہر قسم کی ضروریات زندگی آتی ہیں۔یتیم کی پرورش کرنے والے عموماً ذوی الارحام میں سے ہوتے ہیں جیسے دادا، چچا، وہ متوفی عنہا زوجہا جو اولاد کی خاطر دوسری شادی نہیں کرتی۔ اور کبھی کبھی ان کے علاوہ بھی ہوتے ہیں۔پرورش کرنے والے چاہے اپنے ہوں یا پرائے سب کو ایک جیسا ثواب ملتا ہے۔

حدیث میں مذکورہ "کافل الیتیم" کی حیثیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اُسے جنت میں رسول اکرم ﷺ کی ہمسائیگی میسر ہوگی۔علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ اور "کافل الیتیم" کے درجات کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا کہ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان ہے[23]۔

اور ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بھی یہ حدیث سنی اُس پر لازم ہے کہ وہ نبی ﷺ کی رفاقت کے حصول کے خاطر اس پر عمل کرے۔ کیونکہ آخرت میں اس سے زیادہ بہتر کوئی درجہ نہیں ہے[24]۔

"کفالت الیتیم" کی ذمے داری کسی ایک فرد میں محصور نہیں بلکہ پورے معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری ہے۔اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صدقے میں یتیم کا کچھ نہ کچھ حصہ مقرر کردینے کا حکم فرمایا ہے ایک حدیث میں ہے کہ:

> "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے متعلق اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا کی خوشحالی اور اس کی زیبائش و آرائش کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا اچھائی برائی پیدا کرے گی؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس لیے اس شخص سے کہا جانے لگا کہ کیا بات تھی۔ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات پوچھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بات نہیں کرتے۔ پھر ہم نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ بیان کیا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسینہ صاف کیا (جو وحی نازل ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے لگتا تھا) پھر پوچھا کہ سوال کرنے والے صاحب کہاں ہیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے (سوال کی) تعریف کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھائی برائی نہیں پیدا کرتی (مگر بے موقع استعمال سے برائی پیدا ہوتی ہے) کیونکہ موسم بہار میں بعض ایسی گھاس بھی اگتی ہیں جو جان لیوا یا تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں۔ البتہ ہریالی چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے کہ خوب چرتا ہے اور جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو سورج کی طرف رخ کرکے پاخانہ پیشاب کر دیتا ہے اور پھر چرتا ہے۔ اسی طرح یہ مال و دولت بھی ایک خوشگوار سبزہ زار ہے۔ اور مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو مسکین، یتیم اور مسافر کو دیا جائے۔ یا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اگر کوئی شخص زکوۃ حقدار ہونے کے بغیر لیتا ہے تو اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور قیامت کے دن یہ مال اس کے خلاف گواہ ہوگا[25]"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یتیم کے پاس بھی مال ہوتا ہے اور اسلام ہر کسی کو میراث میں اُس کا حق دیتا ہے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت۔ لیکن طبعی طور پر وہ چونکہ چھوٹا ہوتا ہے اور اپنے مال کی حفاظت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اُس میں کوئی فائدہ مند تصرف کر سکتا ہے اس وجہ سے اسلام نے اُس کے ولی کے ذمے یہ امور مقرر کیے ہیں کہ اُس کی بلوعنت تک وہ اُس کے مال کا انتظام وانصرام کرے اور بھول کر بھی یتیم کے مال سے کچھ کھانے یا لینے سے انتہائی سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ حدیث کے الفاظ ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سات مہلک گناہوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا کیا ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کی جان لینا جو اللہ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور پاک دامن غافل مومن عورتوں کو تہمت لگانا[26]"

" الْمُوبِقَات " سے مراد وہ گناہ ہیں جو انسان کو (آخرت میں) ہلاک کر دیتا ہے۔

ہاں یہ بات ہے کہ اگر ولی خود فقیر ہو تو وہ یتیم کے مال سے مناسب اندازے کے مطابق کچھ نہ کچھ لے سکتا ہے جیسا کہ ابوداوُد کی روایت ہے:

"ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں محتاج ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے، البتہ ایک یتیم میرے پاس ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :اپنے یتیم کے مال سے کھاؤ، لیکن فضول خرچی نہ کرنا، نہ جلد بازی دکھانا (اس کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے) نہ اس کے مال سے کما کر اپنا مال بڑھانا"[27]

اسی طرح کی دوسری روایت جو صحیحین میں ہے، یہ ہے کہ:

" عائشہ رضی اللہ عنہانے) قرآن مجید کی اس آیت"

"وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ "

"اور جو شخص مالدار ہو وہ اپنے کو یتیم کے مال سے بالکل روکے رکھے' البتہ جو شخص نادار ہو تو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے"

کے بارے میں فرمایا کہ یتیموں کے ولیوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ یتیم کے مال میں سے اگر ولی نادار ہو تو دستور کے مطابق اس کے مال میں سے لے سکتا ہے"[28]

یتیم کی معصومانہ خواہشات کی تکمیل کرنا:

بچپن میں بچے کو نہ صرف کھانے پینے اور کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر بھی امور کی بھی ضرورت ہوتی ہیں۔ کامل محبت، نرمی اور شفقت کے برتاؤ کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔ ایک بہترین استاد، مربّی، محافظ اور اُس سے مضرّات دفع کرنے والا بھی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسے لازمی امور ہیں جن سے کوئی بھی انسان عموما اور یتیم خصوصا مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ امور ایسے ہیں جن میں باپ کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اور باپ کی غیر موجودگی میں بچہ اِن سہولیات سے

محروم رہتا ہے۔اس وجہ سے غیر محسوس طریقے سے وہ اپنے آپ کو اِن تمام سہولیات سے محروم سمجھتا ہے۔ جن سے دوسرے بچے مستفید ہوتے ہیں۔

سنت نبویہ نے اِن تمام امور کو مد نظر رکھ کر معاشرے کے افراد کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ تاکہ یتیم کی صحیح تربیت کئے جانے سے وہ معاشرے کا ایک مفید شہری بن کر ابھرے۔ اور تخریبی ذہنیت سے محفوظ رہے۔ اور یہ کہ یتیم اُس احساس سے نکل جائے جس کے نتیجے میں اُسے معاشرے میں صحیح تربیت نہ ہونے کے وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس وجہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا:

" أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى "[29]

الغرض ایک اسلامی معاشرے میں ہر وقت کسی نہ کسی صورت میں اللہ کے دین کی خاطر مسلمانوں سے قُربانی مطلوب ہوتی ہے جس میں جہاد بھی آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سارے بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کہ عورت کے مقابلے میں مرد کو خطرات کا سامنا زیادہ رہتا ہے اس وجہ سے واقعات کے نتیجے میں اُن کی شرح فوتگی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرہ چونکہ ایک کامل اور مکمل معاشرہ ہوتا ہے اس وجہ سے اسلام نے زندگی میں معاشرے کے تمام افراد کی رعایت رکھتے ہوئے احکامات دیئے ہیں۔ جس میں ایک فرد "یتیم" بھی ہے۔ قرآن کریم اور سنت نبویہ میں اسی وجہ سے یتیم سے متعلق تمام امور کے بارے میں کسی بھی شکل میں کوتاہی سے انتہائی سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔

اس منشور میں "بچے" کے حقوق کے متعلق تو سفارشات کی گئی ہیں لیکن اس میں معاشرے کے ایک اہم اور قابل توجہ مسئلے یعنی "یتیموں کے حقوق" کی طرف اشارہ تک نہیں دیا گیا ہے۔ سو اس بارے میں اسلامی تعلیمات میں ان پر توجہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

"وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"[30]

"اور تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے۔ اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (یعنی خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔ اور اگر خدا چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا۔ بے شک خدا غالب (اور) حکمت والا ہے"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا"[31]

"اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) ان کے حوالے کر دو اور ان کے پاکیزہ (اور عمدہ) مال کو (اپنے ناقص اور) برے مال سے نہ بدلو۔ اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ۔ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے"

اس آیت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ یتیموں سے مال لینے دینے کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

اسی طرح آگے ارشاد ہے:

"وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا"[32]

"اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو پھر (بالغ ہونے پر) اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کردو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا۔ جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز رکھنا چاہیئے اور جو بے مقدور ہو وہ مناسب طور پر (یعنی بقدر خدمت) کچھ لے لے اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو گواہ کر لیا کرو۔ اور حقیقت میں تو خدا ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے"

اس آیت میں اُن کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جب تک اُن میں کامل سمجھ بوجھ نہ ہو اس وقت تک ان کی مال کی نگرانی کرتے رہو۔ نیز اگر ان کے اموال کی نگرانی کرنے کی وجہ سے تمہیں کچھ ضرورت محسوس ہو تو سخت ضرورت کے وقت اُن کے اموال سے بقدر ضرورت استعمال کر سکتے ہو۔

اسی طرح یتیموں کا مال ناحق طریقے سے کھانے "ظلم" کہا گیا۔ اور اس سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا"[33]

"جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے"

یتیموں کے ساتھ بھلائی کا حکم دے کر معاشرے کے ایک "محروم طبقے" کو سایہ فراہم کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

"وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا"[34]

"اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو۔ اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اس کو جانتا ہے"

حق میراث:

جن انسانی حقوق کا اس عالمی منشور میں ذکر تک موجود نہیں ہے اُن میں سے ایک "حقِ وراثت" ہے۔ حق وراثت ایک اہم انسانی حقوق میں سے ہے جو کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو حاصل ہوتا ہے۔ معمول کے مطابق میت کی تجہیز و تکفین اور اُس کے ذمے واجب الادا قرض کی ادائیگی کے بعد اور اُس کی جائز وصیت کے نفاذ کے بعد اگر کچھ مال بچ گیا تو اس کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گا۔ شریعتِ مطہرہ میں "وراثت" کے مستقل احکام موجود ہیں جو عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔ اس سلسلے میں مرد اور عورت دونوں کو حقوق ملتے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا

مَّفْرُوْضًا"[35]

"جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت۔ اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی یہ حصے (خدا کے) مقرر کئے ہوئے ہیں"

حصص کے حوالے سے بھی قرآنی ارشادات موجود ہیں:

"يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا"[36]

"اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے"

مزید اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

"وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَھُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۙغَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ"[37]

"تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے۔ اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لئے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا، اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو (یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو)۔ اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں، اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو یہ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بردبار"

جو حضرات بے اولاد ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے اُن کے بھی مستقل حقو بیان کئے ہیں۔ اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا

فرمان موجود ہے:

"یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ"[38]

"(اے پیغمبر) لوگ تم سے (کلالہ کے بارے میں) حکم (الٰہی) دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ کلالہ بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ اور اگر بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی۔ اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ (یہ احکام) خدا تم سے اس لئے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔ اور خدا ہر چیز سے واقف ہے"

احادیث میں بھی ان کے حقوق کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ جیسا کہ ابو داؤد کی روایت ہے:

" قال رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِى حَقٍّ حَقَّهُ فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ "[39]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : کہ اللہ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں"

ذاتی دفاع:

"عالمی منشور" کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی جان/ذاتی دفاع کے متعلق اس میں کچھ ہدایات نہیں ہیں۔ حملہ آوروں سے اپنے بچاؤ کے لیےاحتیاطی تدابیر اختیار کرنا انسان کے بنیادی حقوق میں سے ہیں۔اس کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات میں صدیوں پہلے اپنی جان کے بچاؤ اور دفاع کے مشروط حقوق دیئے ہیں۔ اور اپنے اوپر سے زیادتی کو روکنے کی کیفیت کے حوالے سے ارشادت دیئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ"[40]

"پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا ڈرنے والوں کے ساتھ ہے"

اسلام نے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ معافی کے بھی تحسین فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ"[41]

"اور جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر زیادتی ہو تو مناسب طریقے سے بدلہ بھی لیتے ہیں۔اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگذر کرے اور معاملے کو درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"

اپنی دفاع کی جدوجہد کرنا بھی انسانی حقوق میں سے ہیں اور اگر اس بارے کسی کو میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ باعث

اجر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

" قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ أَوْ دُونَ دَمِهِ أَوْ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ "[42]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": جو اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے بال بچوں کو بچانے یا اپنی جان بچانے یا اپنے دین کو بچانے میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے"

معافی کا حق:

کسی کو کسی غلطی کی پاداش میں معاف کر دینے سے کسی بھی معاشرے میں امن وسکون آتا ہے۔ معافی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات دنیا کے دیگر مذاہب سے ممتاز ہیں۔ عالمی منشور میں اس حق کے بارے میں کوئی واضح دفعہ موجود نہیں ہے۔ یہ معافی انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ فرد اور معاشرے میں شریروں کے سامنے ہتھیار ڈالے بغیر معافی کی دعوت ہے۔ مد مقابل جو شر کے داعی ہو، کو اچھے طریقے سے ٹالنے اور معاف کر دینے پر زور دیا گیا ہے۔ اس "ٹالنے" اور "معافی" کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ "[43]

"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے"

مزید فرماتا ہے:

"فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ "[44]

"پس اچھی طرح در گزر کیجئے"

اسی طرح ارشاد ہے:

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ "[45]

"آپ بردباری سے کام لیں اور نیکی کا حکم کرتے رہیں اور جاہلوں سے اعراض کریں"

حدیث میں معافی کے بارے میں ارشاد ہے:

" قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ي: ثلاثة أقسم عليهن وأحدثكم حديثا فاحفظوه قال ما نقص مال عبد من صدقة ولا ظلم عبد مظلمة فصبر عليها إلا زاده الله عزا ولا فتح عبد باب مسئلة إلا فتح الله عليه باب فقر "[46]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا": میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں اور میں تم لوگوں سے ایک بات بیان کر رہا ہوں جسے یاد رکھو"، "کسی بندے کے مال میں صدقہ دینے سے کوئی کمی نہیں آتی) یہ پہلی بات ہے(، اور کسی بندے پر کسی قسم کا ظلم ہو اور اس پر وہ صبر کرے تو اللہ اس کی عزت کو بڑھا دیتا ہے) دوسری بات ہے(، اور اگر کوئی شخص پہنے کے لیے سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ اس کے لیے فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتا

ہے"

منشور کا عملی نفاذ:

ایک کمی جو محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی حقوق کے حوالے سے کسی زیادتی کی روک تھام کے لیے ذرائع اور حفاظتی اقدامات بھی اُسی معیار کے ہونے چاہئیے جس معیار کا یہ منشور ہے یعنی یہ اقدامات بھی عالمی معیار کے ہونے چاہئیے۔اس حوالے سے ایک صاحب لکھتے ہیں:

"اکتفی بایرادالنص عام مبهم یقرر ان(لکل فردالحق فی التمتع بنظام اجتماعی دولی تتحقق بمقتضاه الحقوق والحریات المنصوص علیها فی هذاالاعلان تحقیقا تاما(المادة28)کما تضمن الاعلان تحذیرامن التحایل علی نصوصه اواساءة تاویلها دون تحدیدا جزاء للمخالفة،اذا ورد النص کمایلی(لیس فی هذا الاعلان نص یجوز تاویله علی انه یخول لدولة وجماعة اوفرد ای حق فی القیام بنشاط اوتادیة عمل یهدف الی هدم الحقوق والحریات الواردة فیه) "

(چنانچہ) میں اہم "مبہم عبارت" کی مثال پیش کرتا ہوں جو درجہ ذیل چیز کو لازم ٹھہراتی ہے کہ:

ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ بین الاقوامی معاشرتی نظام کے اس منشور کے دفعہ 28 میں ڈکلئیر کردہ حقوق اور آزادیوں سے فائدہ اٹھائے اور ان سے اپنے مقصد کی برآری کو یقینی بنائے۔علاوہ ازیں یہ منشور اپنی عبارت کی غلط ترجمانی اور اس سے پہلو تہی کرنے پر (ایک عدد) وارننگ پر بھی مشتمل ہے لیکن اس وارننگ کی خلاف ورزی پر سزا کا کوئی ذکر نہیں، کیونکہ اس وارننگ کی عبارت اس طرح ہے:

"Nothing in this declaration may be in terpreted implying for any State, Group or person any right to engage in any activity or to perform any act aimed at the destruction of any of the rights and freedoms set forth herein"

"اس منشور میں کوئی ایسی عبارت نہیں ہے کہ جس سے یہ مطلب اخذ کرنا جائز ہو کہ کسی ملک اور کسی پارٹی یا فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اس منشور میں درج شدہ حقوق اور آزادیوں کو منہدم کرنے کی غرض سے کوئی سرگرمی یا کوئی فعل سرانجام دے سکتا ہے[47]"

قوتِ نافذہ کی معدومی:

اس منشور کی خامیوں میں سے یہ بھی ہیں کہ اس میں عملی رکاوٹ ہے۔کیونکہ یہ منشور منظور تو ہو گیا، لیکن اس کے لیے ایسی قوت نہیں ہے جو اس کو نافذ بھی کرسکے۔کیونکہ مثلاً اگر کوئی ملک خاص طور پر کوئی طاقت ور ملک عالمی منشور کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کا پابند بنانے کی کوئی ٹھوس اور موثر تدبیر اس میں تجویز نہیں کی گئی ہے۔اس کا ثبوت آپ آج کی دنیا میں دیکھ سکتے ہیں کہ ایک بڑا ملک اپنی طاقت کے نشہ میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہے۔

منشور میں ابہام:

اسی طرح یہ بات بھی ہے کہ اس میں مذہب کے حوالے سے آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن اس آزادی کی حدود متعیّن نہیں کی گئیں۔کیونکہ مذہبی آزادی صرف پوجا پاٹ، عبادت (گھر میں ہو یا مسجد چرچ، گردوارے) کا نام نہیں

ہے۔ کیونکہ آج دنیا مذہبی آزادی کو صرف ذاتی (نجی) اور خاندانی معاملات میں آزادی دے کر کہتی ہے کہ یہ مذہبی آزادی ہے۔اس سے زیادہ دنیا میں مذہبی آزادی کا کوئی تصور نہیں ہے ،اس کے مقابلے میں اسلام پوری زندگی کے بارے میں ہمیں ہدایات فراہم کرتا ہے اور ان کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو یہ کہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تمام احکام پر چلنے کی آزادی ہے اور وہ اپنے دائرے میں اپنا قانون نافذ کر سکتے ہیں۔

سید جلال الدین عمری کے الفاظ میں :

"ایک بات یہ بھی ہے کہ مغرب میں کلیسا اور اس کے زیر اثر بر سر اقتدار طبقہ نے انسان کی آزادیِ فکر و عمل اور اس کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا جس کا صحیح مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے ردِ عمل میں حقوق انسانی کا موجودہ تصور ابھرا۔ اس میں مذہب کے حقیقی رول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اللہ کے جو پیغمبر دنیا کے مختلف گوشوں میں اور مختلف زمانوں میں آئے ان کی کیا تعلیمات تھیں ، ان کو جب اقتدار ملا تو ان کا کیا رویہ رہا اور انسانیت کس طرح فلاح سے ہم کنار ہوئی ہے؟ یہ چیز کہیں زیر بحث نہیں آتی۔ جیسے یہ طے کر لیا گیا ہو کہ مذہب سے ہٹ کر یا مذہب کو نظر انداز کر کے گفتگو کی جائے گی۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کوئی معروضی یا غیر جانب دارانہ مطالعہ ہے، صاف بات ہے کہ یہ جانب دارانہ مطالعہ ہے۔ جس میں پہلے سے طے کر لیا گیا ہے کہ مذہب کا حقیقی کردار زیر بحث نہیں آئے گا، بلکہ اسے نظر انداز کیا جائے گا"[48]

خلاصہ بحث:

اس پورے بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان (مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، جوان، والدین، رشتہ دار، ہمسایہ ،غلام وغیرہ) کو اسلام نے حقوق وفرائض کے حوالے سے جو اعلیٰ مقام دیا ہے وہ مقام دنیا کے کسی بھی قانون اور منشور نے نہیں دیا ہے۔اس وجہ سے اسلام جو آسمانی والہی ہدایات کا مجموعہ ہے، ہی دنیا کو بہتر ،انصاف کا حامل اور پائیدار نظام دے سکتا ہے جس میں تمام انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں، جبکہ اقوام متحدہ کی نظر میں تمام اقوام/ممالک یکساں حقوق کے مستحق نہیں ہیں جو سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممبر ممالک کی شکل میں موجود ہیں۔ پس دنیا کو اسلام کے ابدی اور عدل ومساوات کے حامل نظام سے استفادہ کر کے موجودہ اصطلاحات کی تشریح کرنی چاہیئے تب جا کر دنیا چین وامن کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے گی۔

نتائج البحث:

1. عالمی منشور برائے انسانی حقوق " انسانی عقل کی اختراع ہے جو کہ ظاہر ہے، ناقص ہے۔آرٹیکل میں اس پر یتیم، میراث اور قوت نافذہ کی معدومی کے تحت کافی بحث کی گئی ہے۔
2. منشور ایک خاص ایجنڈے کے تحت پاس کیا گیا ہے۔ جس میں مخصوص ممالک کے مفادات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔
3. منشور کی تیاری میں آسمانی مذاہب کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا ہے۔
4. دنیا کے بڑے مذہب "اسلام" اور اس کے ماننے والوں کے عقائد کی کھلم کھلا مخالفت کی گئی ہے۔
5. انسانوں کو اُن کا اصل مقام اسلام نے دیا ہے جبکہ منشور سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہی منشور ہی انسانیت کا معیار ہے۔
6. آزادئی رائے کی آڑ میں آسمانی مذاہب کی حیثیت ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
7. دنیا کے تمام ممالک کے لیے یکساں قانون بنانے میں ناکام ہوئے ہیں۔

8. سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممالک کے ہاتھوں دنیا کو یرغمال بنایا گیا ہے۔
9. اس عالمی منشور میں "حقوق" لینے پر زور دیا گیا ہے جبکہ اسلام "حقوق" دینے کی تاکید کرتا ہے۔
10. یہ عین ممکن ہے کہ منشور پر عمل کیا جائے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے تحفظات کو دور کیا جائے۔
11. "اجتہاد" کے مسلمہ اصول کو بروئے کار لا کر مختلف فیہ مسائل کا قابل عمل حل نکالنے کے لیے امت مسلمہ کا ایک نمائندہ کمیٹی/جماعت کا ہونا ازحد ضروری ہے جو مذہبی اختلاف کو پس پشت ڈال کر مغربی دنیا کا عملی میدان میں مقابلہ کر سکے۔
12. دنیا کے مسلم ممالک میں سے چند ممالک نے (جس میں سعودی عرب اور پاکستان بھی شامل ہے) اس منشور پر گاہے بگاہے اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ اگر اُن پر مخلصانہ غور کیا جائے تو مسئلے کا حل ممکن ہے۔
13. منشور نہ تو سو فیصد قابل عمل ہے اور نہ ہی بالکل مسترد کیا جا سکتا ہے۔
14. متفقہ دفعات کو بنیاد بنا کر مختلف فیہ دفعات پر بحث و تمحیص کا راستہ کھلا رکھنے سے مذہبی دنیا کے خدشات دور کیے جا سکتے ہیں۔
15. پوری دنیا کو اسلامی تعلیمات ہی حقوق و فرائض کے حوالے سے قابل عمل صورت دے سکتا ہے۔
16. منشور میں اقوام کو برابری کے بنیاد پر حقوق نہ دینے سے اس کی اہمیت و افادیت کمزور ہو چکی ہے۔
17. "انسانی خواہش" کے احترام میں ہر اخلاقی، معاشرتی اور قانونی نظامہائے دنیا کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا ہے۔
18. اگر خطبہ حجۃ الوداع کو بنیاد بنا کر جدید اصطلاح میں قوانین بنانے کی کوشش کی جاتی تو دنیا میں امن، سکون، حقوق و فرائض کی بروقت ادائیگی، ظلم و ناانصافی کا خاتمہ اور انسانیت سے مزین معاشرہ کی تکمیل ممکن ہو جاتی۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

---

1 MAZHAR-UL-HAQ, Political Science, Theory and Practice, Page#13, Book land, Lahore, 1991
2 Ibid
3 Ibid
4 Ibid

5 آخری مستند متن، عالمی منشور برائے انسانی حقوق، محکمہ اطلاعات عامہ، اقوام متحدہ، نیو یارک *opi/15-15377-june1965*
Ākhirī Mustand Matan, ʿĀlamī Manshūr Baray Insānī Ḥuqūq, Muḥkamah Iṭlāʿāt ʿĀmmah, Aqwām Muttaḥidah, New York, Opi/15-15377-june1965

6النساء،الآیہ:5

Al Nisā,, Al Āyah: 5

7ازھری، محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، داراحیات التراث العربی، بیروت،2001م،ج:14،ص:241

Azharī, Muḥmmad bin Aḥmad, Tahdhīb al Lughah, (Nāshir: Dār Iḥyā' al Turāth al 'Arabī, Bayrūt, 2001ac), Vol: 14, P;241

8ابن اثیر، مبارک بن محمد،النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، دارالکتب العلمیۃ–بیروت،1418ھ،ج:5،ص:292

Ibn ,Athīr, Mubārak bin Muḥmmad, Al Nihāyah Fī Gharīb al Ḥadīth wal ,Athar, (Nāshir: Dār al Kutub al 'Ilmiyyah, Bayrūt, Labnān, 1418ah), Vol:5, P;292

9تھذیب اللغۃ،ج:14،ص:242

Tahdhīb al Lughah, Vol:14, P:242

10الحشر،الآیہ: 7

Al Ḥasher, Al Āyah: 7

11النساء،الآیہ: 8

Al Nisā,, Al Āyah: 8

12الدھر،الآیہ : 8

Al Dahr, Al Āyah: 8

13البقرۃ،الآیہ:177

Al Baqarah, Al Āyah: 177

14البقرۃ،الآیہ: 215

Al Baqarah, Al Āyah: 215

15الانفال،الآیہ: 41

Al Anfāl, Al Āyah: 41

16الاسراء،الآیہ: 34

Al Isrā,, Al Āyah: 34

17النساء،الآیہ: 10

Al Nisā,, Al Āyah: 10

18النساء،الآیہ: 6

Al Nisā,, Al Āyah: 6

19الضحی،الآیہ : 6

Al Ḍuḥā, Al Āyah: 6

20الضحی،الآیہ: 9

Al Ḍuḥā, Al Āyah: 9

21النساء،الآیہ: 36

Al Nisā,, Al Āyah: 36

22بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار ابن کثیر، بیروت،1407ھ/،کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما،رقم:6005

Bukhārī, Muḥmmad bin Ismā'īl, Ṣaḥīḥ Bukhārī, (Nāshir: Dār Ibn Kathīr, Bayrūt, 1407ah), Ḥadīth No: 6005

23ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دارالمعرفہ ،بیروت،1379ھ/1959ء،ج:10،ص:436

Ibn Ḥajar, Aḥmad bin 'Alī bin Ḥajar, Fatḥ al Bārī Sharḥ Ṣaḥīḥ Bukhārī, (Nāshir: Dār al Ma'rifah, Bayrūt, 1959ac), Vol:10, P:436

24ابن بطال، علی بن خلف، شرح صحیح بخاری لابن بطال، مکتبۃ الرشد، ریاض، الطبعۃ: الثالثۃ1425ھ، ج:18، ص:111
Ibn Baṭṭāl, 'Alī bin Khalaf, Sharḥ Ṣaḥīḥ Bukhārī Li Ibn Baṭṭāl, (Nāshir: Maktabah al Rushd, Riyāḍ, 1425ah), Vol:18, P:111

25 صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ علی الیتامٰی، رقم:1466 / مسلم ، مسلم بن حجاج ، صحیح مسلم ، دار احیاء التراث العربی، بیروت،1415ھ/1994ء، کتاب الزکوۃ، باب تخوف مایخرج من زھرۃ الدنیا، رقم:2470
Ṣaḥīḥ Bukhārī, Ḥadīth No: 1466 / Muslim bin Ḥajjāj, Ṣaḥīḥ Muslim, (Nāshir: Dār Iḥyā' al Turāth al 'Arabī, Bayrūt, 1415ah), Ḥadīth No: 2470

26 صحیح بخاری، کتاب المحاربین، باب رمی المحصنات، رقم:2766، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر واکبرھا، رقم:272
Ṣaḥīḥ Bukhārī, Ḥadīth No: 2766 / Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth No: 272

27 ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی مالولی الیتیم ان ینال من مال الیتیم، رقم:2874، مکتبۃ العصریہ، بیروت، 1414ھ/1993ء
Abū Dāūd, Sulaymān bin Ash'ath, Sunan Abū Dāūd, (Nāshir: Maktabah al 'Aṣriyah, Bayrūt, 1414ah), Ḥadīth No: 2874

28 صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب ومالوصی ان یعمل فی مال الیتیم ومایاکل منہ بقدر عمالتہ، رقم:2765، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب حدثنا محمد بن رافع، رقم:7719
Ṣaḥīḥ Bukhārī, Ḥadīth No: 2765 / Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth No: 7719

29 صحیح بخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما، رقم:6005
Ṣaḥīḥ Bukhārī, Ḥadīth No: 6005

30البقرۃ، الآیہ: 220
Al Baqarah, Al Āyah: 220

31النساء، الآیہ: 2
Al Nisā,, Al Āyah: 2

32النساء، الآیہ: 3
Al Nisā,, Al Āyah: 3

33النساء، الآیہ: 10
Al Nisā,, Al Āyah: 10

34النساء، الآیہ: 127
Al Nisā,, Al Āyah: 127

35النساء، الآیہ: 7
Al Nisā,, Al Āyah: 7

36النساء، الآیہ: 11
Al Nisā,, Al Āyah: 11

37النساء، الآیہ: 12
Al Nisā,, Al Āyah: 12

38النساء، الآیہ: 176
Al Nisā,, Al Āyah: 176

39 سنن ابو داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث، رقم: 2872

Sunan Abū Dāūd, Ḥadīth No: 2872

40 البقرۃ، الآیہ: 194

Al Baqarah, Al Āyah: 194

41 الشوری، الآیہ: 39،40

Al Shuūrā, Al Āyah: 39, 40

42 سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی قتال اللصوص، رقم: 4774

Sunan Abū Dāūd, 4774

43 فصلت، الآیہ: 34

Fuṣṣilat, Al Āyah: 34

44 حجر، الآیہ: 85

Ḥijr, Al Āyah: 85

45 الاعراف، الآیہ: 199

Al A´rāf, Al Āyah: 199

46 ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، دار الکتاب العلمیہ بیروت، بدون تاریخ، کتاب الزھد، باب مثل الدنیا مثل اربعۃ نفر، رقم: 2325

Timidhī, Muḥmmad bin ´īsā, Sunan Tirmidhī, (Nāshir: Dār al Kutub al ʹIlmiyyah, Bayrūt), Ḥadīth No: 2325

47 حقیل، سلیمان بن عبدالرحمان، حقوق الانسان فی الاسلام والرد علی الشبہات المثارۃ حولھا، مکتبۃ الملک فھد، ریاض، طبع رابع 1424ھ، ص 107

Ḥuqayl, Sulaymān bin ʹAbd al Raḥmān, Ḥuqūq al Insān Fī al Islām wal Rad ´Alā al Shubhāt al Muthārah Ḥawlahā, (Nāshir: Maktabah Al Malik Fahad, Riyāḍ, 1424ah), P:107

48 سید جلال الدین، عمری، اسلام اور انسانی حقوق (لیکچر، نومبر 2004ء)، ص: 3

Sayyid Jalāl al Dīn, ,Umarī, Islām Awar Insānī Ḥuqūq, (Lecture November 2004ac), P:3